شبستان

غزلیں / گیت

شکیل بدایونی

قیمت :- تین روپے پچاس پیسے

نیا ادارہ دہلی

مطبوعہ : خواجہ لیتھو پریس دہلی ٦

شبستان

ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے نام

تعمیر کے پہلو ہیں نہاں میری غزل میں
ملتا نہیں رجعت کا نشاں میری غزل میں

محدود نہیں دائرہ رنگِ تغزل!
ہر شعبۂ ہستی ہے نہاں میری غزل میں

محبوب کی خلوت پہ نظر میرے سخن کی
مظلوم کی آہوں کا دھواں میری غزل میں

کچھ سلسلۂ چنگ و دف و بربط و مضراب
کچھ تذکرۂ تیغ و سناں میری غزل میں

ہے ظلم شکیل اہلِ سیاست کا یہ ورنہ
گنجائشِ تنقیص کہاں میری غزل میں

ترتیب

حرفِ آغاز

منزل کی دھن میں ہوش و خرد سے گذر گئے ۱۵

لطیف پردوں سے تھے نمایاں مکیں کے جلوے مکاں سے پہلے ۱۶

میری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا ۱۷

نظارۂ جمال سے جنت ہے زندگی ۱۸

نہ اب وہ آنکھوں میں برہمی ہے نہ اب وہ ماتھے پہ بل رہا ہے ۱۹

ساقی نظر سے پنہاں، شیشے تہی تہی سے ۲۰

یوں ارتباط شادی و غم دیکھتے رہے ۲۱

ہم ہیں اور ان کی خوشی ہے آج کل ۲۲

خوشا وہ دور کہ جب فکرِ روزگار نہ تھی ۲۳

آ گئی ہیں رحمتیں پھر جوش میں ۲۵
جو ہے رائیگاں تری جستجو، یہ مری نظر کی خطا نہیں ۲۶
غمِ عاشقی کے نظام اور بھی ہیں ۲۷
میرے ہی غم کی ترجماں فطرتِ بے زباں نہ ہو ۲۸
جنوں سے گذرنے کو جی چاہتا ہے ۲۹
دنیا کی روایات سے بیگانہ نہیں ہوں ۳۰
رعنائیِ بہارِ گل و گلستاں گئی ۳۱
تری یاد سے دل فروزاں کریں گے ۳۲
موسمِ گل ساتھ لے کر برق دوام آ ہی گیا ۳۳
ہر مسرت سے گریزاں نظر آتا ہے مجھے ۳۴
حسن پابندِ رہ و رسم کیوں نہ رہا ۳۵
یہ کیا طلسم غم کدہ کائنات ہے ۳۶
انداز مداوائے جنوں کام نہ آیا ۳۷
تکمیل شباب چاہتا ہے ۳۸
آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے کوئی ۳۹
بن جائے قہر عشرت پیہم کبھی کبھی ۴۰
اب تو ہر عنوان عیش و غم سے جی گھبرا گیا ۴۱

آنکھ ان کو دیکھتی ہے نظارہ کیے بغیر ۴۲

دید کے حوصلے ہیں گم جلوۂ حسن ذات میں ۴۳

عقل نے سزا پائی شرحِ رنگ و بو کر کے ۴۴

صبح کا افسانہ کہہ کر شام سے ۴۵

رفعت خیال میں ہے نہ وسعت نظر میں ہے ۴۶

جلوۂ معتبر کو کیا کہیے ۴۷

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں ۴۸

مری دیوانگی نہیں جاتی ۴۹

موسم خوشگوار کی راتیں ۵۰

وہ حیات آفریں نظر افروز ۵۱

دائمی کیف و حسن کے لمحات ۵۲

بس اک نگاہِ کرم ہے کافی اگر انہیں پیش و پس نہیں ہے ۵۳

ان کے بغیر ہم جو گلستاں میں آ گئے ۵۵

جو دل پہ گزرتی ہے وہ سمجھا نہیں سکتے ۵۷

ان سے امید رہنمائی ہے ۵۸

آمد فصل خزاں کا جو نہ امکاں ہوتا ۵۹

بہار آئی کسی کا سامنے کرنے کا وقت آیا ۶۰

اللہ اللہ مقامِ ضبطِ الم ۶۱
اثر دکھائے گی سعیٔ گراں کبھی نہ کبھی ۶۲
غمِ عشق رہ گیا ہے غمِ جستجو میں ڈھل کر ۶۳
اب تک شکایتیں ہیں دلِ بدنصیب سے ۶۴
بے اثر دورِ جام ہے اب تک ۶۵
ذوقِ لطیف و چشمِ حقیقت نگر کہاں ۶۶
فطرت کے حسین نظاروں میں پُرکیف خزانے اور بھی ہیں ۶۷
نگاہوں کو کہاں تک تابِ حضوری ۶۸
آنکھوں سے دور صبح کے تارے چلے گئے ۶۹
گلشن ہو نگاہوں میں تو جنت نہ سمجھنا ۷۰
زندگی لے کے اربابِ جہاں چل دیئے ۷۱
تری محفل سے اٹھ کر عشق کے ماروں پہ کیا گزری ۷۲
نقشِ فطرت نے جو ابھارے ہیں ۷۳
خرامِ زندگی ہے والہانہ ۷۴
اللہ اللہ مآلِ نظمِ کہن ۷۵
متاعِ غمِ عاشقی مانگ لوں گا ۷۶
ترے بغیر عجب بزمِ دل کا عالم ہے ۷۷

جذبات کی رو میں بہہ گیا ہوں ۷۸

کلام تازہ

کیا کشش حسن روزگار میں ہے ۸۱
پنہاں دل بے تاب ہیں ارمان بہت ہیں ۸۲
کوشش ترک محبت رائیگاں ہونے لگی ۸۳
تصاویر کہن اب کون دیکھے دل کے پردے میں ۸۴
نہ پیمانے کھنکتے ہیں نہ دور جام چلتا ہے ۸۵
رہ وفا میں کوئی صاحب جنوں نہ ملا ۸۶
اسرار شگفت گل کیا اس کی نظر سمجھے ۸۷
میری بربادی کو چشم معتبر دیکھے ۸۹
روشنی سایۂ ظلمات سے آگے نہ بڑھی ۹۰
غم عاشقی سے کہہ دو رہ عام تک نہ پہنچے ۹۱
کرنے دو اگر قتال جہاں تلوار کی باتیں کرتے ہیں ۹۳
ہنگامۂ دل سے تنگ آکر اظہار مسرت کر بیٹھے ۹۴
تری بندگی کے ٹھکانے بہت ہیں ۹۵
مغرور میری چشم تماشا ہے ان دنوں ۹۶

اشکِ غم ظاہر بھی ہو کر رازداروں میں رہا ۔۔۔ ۹۷
حجابوں سے باہر وہ کم دیکھتے ہیں ۔۔۔ ۹۸
بے جھجک آ گئے بے خطر آ گئے ۔۔۔ ۹۹
شعر و شراب و نغمہ کے حق دار بن گئے ۔۔۔ ۱۰۰
طوفاں بدوش آ جا۔ اے گردشِ زمانہ ۔۔۔ ۱۰۱
زندگانی خود حریفِ زندگانی ہو گئی ۔۔۔ ۱۰۲
ذوقِ ستم جنوں کی حدوں سے گزر گیا ۔۔۔ ۱۰۳
شعلہ بکف ہے زندگی امن و اماں کی خیر ہو ۔۔۔ ۱۰۴
جادۂ عشق میں گر گر کے سنبھلتے رہنا ۔۔۔ ۱۰۵
بیت گیا ہنگامِ قیامت، روزِ قیامت آج بھی ہے ۔۔۔ ۱۰۶

گیت

یہ زندگی کے میلے دنیا میں کم نہ ہوں گے ۔۔۔ ۱۰۹
جوگن بن جاؤں گی سیّاں تورے کارن ۔۔۔ ۱۱۱
چھوڑ بابل کا گھر، موہے پی کے نگر آج جانا پڑا ۔۔۔ ۱۱۲
زندگی دینے والے سن، تیری دنیا سے دل بھر گیا ۔۔۔ ۱۱۴
بچپن کے دن بھلا نہ دینا، آج ہنسے کل رلا نہ دینا ۔۔۔ ۱۱۶

آج مرے من میں سکھی بانسری بجائے کوئی 117
او دنیا کے رکھوالے.... 118
چلے آج تم جہاں سے ہوئی زندگی پرائی 120

منزل کی دھن میں ہوش و خرد سے گذر گئے
سو بار تیری راہ گذر سے گذر گئے

جو امتیازِ شام و سحر سے گذر گئے
ایسے بھی کچھ مقامِ نظر سے گذر گئے

اپنی تو اب تمام ہوئی کائناتِ غم
دو اشک تھے سو دیدۂ تر سے گذر گئے

رخ پر کسی کے ہائے وہ رنگِ سکونِ غم
نالے حدودِ جذب و اثر سے گذر گئے

باوصفِ شوق ان کو نظر تو نہ پا سکی
لیکن وہ ہر مقامِ نظر سے گذر گئے

ہر چند فرشِ راہ تھی، ان کے لئے نگاہ
پھر بھی خبر نہیں وہ کدھر سے گذر گئے

مدت کے بعد سامنے آئے تھے وہ مگر
رسوائیِ جمال کے ڈر سے گذر گئے

کیا پوچھتے ہو لطفِ ہجومِ نظر شکیلؔ
کچھ تیر تھے جو قلب و جگر سے گذر گئے

لطیف پردوں سے تھے نمایاں مکیں کے جلوے مکاں سے پہلے
محبت آئینہ ہو چکی تھی، وجودِ بزمِ جہاں سے پہلے

نہ وہ مرے دل سے باخبر تھے، نہ ان کو احساسِ آرزو تھا
مگر نظامِ وفا تھا قائم، کشودِ رازِ نہاں سے پہلے

ہر ایک عنوانِ دردِ فرقت ہے ابتدا شرحِ مدعا کی
کوئی بتائے کہ یہ فسانہ سنائیں ان کو کہاں سے پہلے

مسرتیں رازدارِ غم تھیں، مسرتوں میں الم تھا پنہاں
جبھی تو صحنِ چمن میں شاید بہار آئی خزاں سے پہلے

سمجھ رہا تھا کہ نا امیدی، نہ پردہ دارِ امید ہو گی
نظر اٹھا کر جو میں نے دیکھا، غبار تھا کارواں سے پہلے

اٹھا جو مینا بدستِ ساقی، رہی نہ تابِ ضبط باقی
تمام میکش پکار اٹھے "یہاں سے پہلے، یہاں سے پہلے"

قسم فریبِ نگاہ و دل کی، ہمیں تو اس جستجو نے کھویا
وہی تھی دراصل اپنی منزل، قدم اٹھے تھے جہاں سے پہلے

ازل سے شاید لکھے ہوئے تھے، شکیلؔ قسمت میں جورِ پیہم
کھلی جو آنکھیں اس انجمن میں نظر ملی آسماں سے پہلے

مری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا
ترا غم ہے درحقیقت، مجھے زندگی سے پیارا

وہ اگر برا نہ مانیں تو جہانِ رنگ و بو میں
میں سکونِ دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

مجھے تجھ سے خاص نسبت میں رہینِ موجِ طوفاں
جنہیں زندگی تھی پیاری، انہیں مل گیا کنارا

مجھے آ گیا یقیں سا کہ یہی ہے میری منزل!
سرِ راہ جب کسی نے مجھے دفعتہً پکارا

یہ خنک خنک ہوائیں، یہ جھکی جھکی گھٹائیں
وہ نظر بھی کیا نظر ہے جو سمجھ نہ لے اشارا

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
مری زندگی تلاطم، تری زندگی کنارا

مجھے گفتگو سے بڑھ کر، غمِ اذنِ گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہیں، جو نہ کہہ سکوں دوبارا

کوئی اے شکیلؔ دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

نظارۂ جمال سے جنت ہے زندگی
وہ روبرو نہیں تو قیامت ہے زندگی

ہر چند ایک زندہ حقیقت ہے زندگی
لیکن بس اک نگاہ کی قیمت ہے زندگی

وہ پھیر لیں نظر تو کہاں تابِ یک نفس
یہ زندگی انہیں کی بدولت ہے زندگی

جب چاہے پھونک دے مری ہستی کا آشیاں
اک برقِ بے اماں کی امانت ہے زندگی

مٹنا روا، نگاہ جھکانا نہیں قبول
بیگانۂ فریبِ ندامت ہے زندگی

کتنی لطیف، کتنی حسیں، کتنی مختصر!
اک نو شگفتہ پھول کی نکہت ہے زندگی

ان کے خیال، ان کی تمنا میں مست ہوں
میرے لئے شکیلؔ عبادت ہے زندگی

○

نہ اب وہ آنکھوں میں برہمی ہے، نہ اب وہ ماتھے پہ بل رہا ہے
وہ ہم سے خوش ہیں، ہم ان سے خوش ہیں، زمانہ کروٹ بدل رہا ہے

خوشی نہ غم کی، نہ غم خوشی کا، عجیب عالم ہے زندگی کا
چراغِ افسردۂ محبت، نہ بجھ رہا ہے، نہ جل رہا ہے

ہزار ترکِ وفا کروں میں، تری محبت کو کیا کروں میں!
دلِ حزیں تجھ سے روٹھ کر بھی، ترے اشاروں پہ چل رہا ہے

یہ کالی کالی گھٹا، یہ ساون، فریبِ زاہد الٰہی توبہ!
وضو میں مصروف ہے بظاہر، حقیقتاً ہاتھ مل رہا ہے

کہاں یہ ہستی کی واردات، کہاں یہ عیش و طرب کی باتیں
اب اور ہی نغمہ چھیڑ مطرب کہ رنگِ زمانہ بدل رہا ہے

شکیل تفسیرِ شعر، اپنی جو پوچھتے ہو تو ہے بس اتنی
جو نالہ سینہ میں گھٹ رہا تھا وہ نغمہ بن کر نکل رہا ہے

ساقی نظر سے پنہاں، شیشے تہی تہی سے
باز آئے ہم تو ایسی بے کیف زندگی سے

کس شوق، کس تمنا، کس درجہ سادگی سے
ہم آپ کی شکایت کرتے ہیں آپ ہی سے

حسنِ شگفتہ رو کی اللہ ری ادائیں
نظریں بھی ہیں مجھی پر پردہ بھی ہے مجھی سے

اے میرے ماہ کامل، پھر آشکار ہو جا
اکتا گئی طبیعت، تاروں کی روشنی سے

نالہ کشو، اٹھا دو آہ و فغاں کی رسمیں
دو دن کی زندگی ہے کاٹو ہنسی خوشی سے

آگے خدا ہی جانے انجام عشق کیا ہو
جب اے شکیلؔ اپنا یہ حال ہے ابھی سے

○

یوں انبساطِ شادی و غم دیکھتے رہے
ان کی جفا بہ رنگِ کرم دیکھتے رہے

عظمت یہ اپنی عشق میں دیکھتے رہے
عالم تمام زیرِ قدم دیکھتے رہے

کچھ اختلافِ شیخ و برہمن پہ نظر کی
کچھ ماورائے دیر و حرم دیکھتے رہے

تھا جاذبِ نگاہ کچھ اس درجہ حسنِ یار
اٹھ بھی گئے وہ بزم سے ہم دیکھتے رہے

تصویرِ عشق آئینۂ حسن بن گئی
سارا جہاں ہمیں، انہیں ہم دیکھتے رہے

خود داریوں نے سر نہ جھکانے دیا شکیلؔ
حسرت سے ان کا نقشِ قدم دیکھتے رہے

O

ہم ہیں اور ان کی خوشی ہے آج کل
زندگی ہی زندگی ہے آج کل!
غم کا ہر عالم نیا ہے ان دنوں!
دل کی ہر دنیا نئی ہے آج کل!
ان کا ذکر، ان کی تمنا، ان کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل!
چاند بھی ہے سوگوارِ ہجرِ دوست
پھیکی پھیکی چاندنی ہے آج کل
حاصلِ ترکِ محبت دیکھنا
انجمن سونی پڑی ہے آج کل!

○

خوشا وہ دور کہ جب فکرِ روزگار نہ تھی
نزاکتِ غمِ دل زندگی پہ بار نہ تھی
ہر ایک لمحہ تھا آسودۂ سکونِ حیات
ملی تھی ایسی طبیعت جو بے قرار نہ تھی
قریب تر تھا ہر اک مدعا بقدرِ طلب
نگاہ واقفِ تکلیفِ انتظار نہ تھی
دلِ شگفتہ و نازک تھا فطرتاً آزاد
ہزار شغل تھے فکرِ مآلِ کار نہ تھی
ہر ایک شے پہ تصرف تھا دیدہ و دل کا
جہاں میں کشمکشِ جبر و اختیار نہ تھی
جنوں کا مشغلہ آشیانہ سازی تھا!
عیاں گرفتگیِ برقِ شعلہ بار نہ تھی
نہ درد و غم، نہ شکایت، نہ اضطرابِ جنوں
محبتیں تھیں مگر کوئی یادگار نہ تھی

کبھی یہ حال کہ خلوت میں جی نہ لگتا تھا
کبھی یہ رنگ کہ محفل بھی سازگار نہ تھی

شکیلؔ آہ یہ عالم ہے اب تو ہستی کا
کہ جیسے اپنے چمن میں کبھی بہار نہ تھی

○

حشر تک گرمئ ہنگامۂ ہستی ہے شکیلؔ
سلسلہ ختم نہ ہوگا مرے افسانے کا

○

آگئی ہیں رحمتیں پھر جوش میں
ہوش میں اے پینے والو ہوش میں

کیا اثر تھا جذبۂ خاموش میں
خود وہ کھچ کر آ گئے آغوش میں

سارا عالم پائے بادہ نوش پر
ایک ساغر دستِ بادہ نوش میں

اب تک اک دلکش صدائے بازگشت
گونجتی ہے پردہ ہائے گوش میں

پھر بہار آئی نئے انداز سے
اے جنونِ فتنہ ساماں ہوش میں

رہ گئی اک مسکراہٹ سی تشکیل
جذب ہو کر اس لبِ خاموش میں

جو ہے رائیگاں تری جستجو، یہ مری نظر کی خطا نہیں
میں وہ گردِ راہِ مجاز ہوں جسے خود ہی اپنا پتا نہیں

میں فریبِ مرگ سے دور ہوں کہ ترا پرتوِ نور ہوں!
میری عمر عمرِ دوام ہے، مجھے اعتقادِ فنا نہیں

وہی ایک سجدہ ہے کارگر جو ہو فکر و ہوش سے ماورا
وہ ہزار سجدے فضول ہیں جو رہینِ لغزشِ پا نہیں

میں شکیلؔ دل کا ہوں ترجماں کہ محبتوں کا ہوں رازداں
مجھے فخر ہے مری شاعری، مری زندگی سے جدا نہیں

○

غمِ عاشقی کے نظام اور بھی ہیں
نظر کے سوا برقِ دوام اور بھی ہیں
مجھی کو نہ ڈھونڈ انقلابِ زمانہ
طلب گارِ عیشِ دوام اور بھی ہیں
شکیلؔ اپنے دل کی تباہی کا کیا غم
فسانے ابھی ناتمام اور بھی ہیں

○

باقی رہا تھا زندہ دلوں میں بس اک شکیلؔ
وہ بھی غمِ فراق کا مارا ہے آج کل

میرے ہی غم کی ترجماں فطرتِ بے زباں نہ ہو
مجھ کو وہ داستاں سنا جو مری داستاں نہ ہو

عقلِ جنوں نواز سن، تجھ پہ اگر گراں نہ ہو
حسن خود اپنی ذات ہے عشق جو درمیاں نہ ہو

سدِ راہِ نگاہ ہے، دور اک غبار سا
جس کی مجھے تلاش ہے یہ وہی کارواں نہ ہو

قیدِ نظر اٹھا کے دیکھ خود میں کبھی سما کے دیکھ
دیدہ و دل کی آڑ میں جلوۂ بے اماں نہ ہو

میری نظر میں واقعی ہے وہ بلا کا خود غرض!
تو جسے غم عطا کرے اور وہ شادماں نہ ہو

شعر و ادب کو آج بھی صنفِ غزل پہ ناز ہے
سعیٔ مخالفت تشکیلؔ ڈر ہے کہ رائیگاں نہ ہو

○

جنوں سے گزرنے کو جی چاہتا ہے
ہنسی ضبط کرنے کو جی چاہتا ہے

وہ ہم سے خفا ہیں، ہم اُن سے خفا ہیں
مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے

ہے مدت سے بے رنگ نقشِ محبت
کوئی رنگ بھرنے کو جی چاہتا ہے

قضا مژدۂ زندگی لے کے آئے
کچھ اس طرح مرنے کو جی چاہتا ہے

نظامِ دو عالم کی ہو خیر یارب
پھر اک آہ بھرنے کو جی چاہتا ہے

گناہِ مکرر شکیل اللہ اللہ
بگڑ کر سنورنے کو جی چاہتا ہے

دنیا کی روایات سے بیگانہ نہیں ہوں
چھیڑو نہ مجھے میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں

اس کثرتِ غم پر بھی مجھے حسرتِ غم ہے
جو بھر کے چھلک جائے وہ پیمانہ نہیں ہوں

میں قائل خودداریٔ الفت سہی لیکن
آداب محبت سے تو بیگانہ نہیں ہوں

کانٹوں سے گذر جاتا ہوں دامن کو بچا کر
پھولوں کی سیاست سے تو بیگانہ نہیں ہوں

لذت کشِ نظارہ شکیل اپنی نظر ہے!
محرومِ جمالِ رخِ جانانہ نہیں ہوں

○

رعنائی بہار گل و گلستاں گئی!
وہ کیا گئے کہ رونقِ بزم جہاں گئی

ملتے ہی ان سے کشمکشِ جسم وجاں گئی
ہوش آگیا تو وحشتِ خوابِ گراں گئی

آخر غبارِ راہ محبت بھی چھپ گیا
کچھ دور تو نگاہ پسِ کارواں گئی

وہ آج مطمئن نظر آتے ہیں بزم میں
شاید کسی کی سعیٔ فغاں رائیگاں گئی

اب اس فریب خوردہ تمنا کو کیا کہوں
جو تیری انجمن سے بہت شادماں گئی

تری یاد سے دل فروزاں کریں گے
پھر اس غم کدے میں چراغاں کریں گے

ذرا حضرتِ دل کی جرأت تو دیکھو
یہ نظارۂ حسنِ جاناں کریں گے

زمانہ جو آتش فشاں ہے تو کیا غم
ہم آتش کدے کو گلستاں کریں گے

چلے تو ذرا دور جامِ محبّت!
فرشتے بھی تقلیدِ انساں کریں گے

جو آسانیوں کو بھی مشکل بنا دیں
وہ کیا میری مشکل کو آساں کریں گے

موسمِ گل ساتھ لے کر برقِ وِدام آ ہی گیا
یعنی اب خطرے میں گلشن کا نظام آ ہی گیا

وہ نگاہِ مست اٹھی گردش میں جام آ ہی گیا
یعنی وقتِ امتیازِ خاص و عام آ ہی گیا

پاسباں کرتے رہے سرگوشیاں ہی اور میں
ان کی محفل سے بہ عز و احترام آ ہی گیا

جانے کن نظروں سے دیکھا آج ساقی نے مجھے
میں تو یہ سمجھا کہ مجھ تک دورِ جام آ ہی گیا

اب اسی کو زندگی کہہ لیجئے یا صبحِ مرگ
آنکھ کھولی تھی کہ سر پہ وقتِ شام آ ہی گیا

ہائے یہ عالم کہ ترکِ وفا کے بعد بھی
دل میں ہوک اٹھی نہ اٹھی لب پہ نام آ ہی گیا

لذتِ رنگینیِ اشعار کیا کہئے شکیل
کچھ نہ کچھ احباب کو لطفِ کلام آ ہی گیا

○

ہر مسرت سے گریزاں نظر آتا ہے مجھے
دل حریفِ غمِ جاناں نظر آتا ہے مجھے

تو محبت کا نگہباں نظر آتا ہے مجھے
یا کوئی خواب پریشاں نظر آتا ہے مجھے

جب سے چھایا ہے تری یاد کا عالم دل پر
ہر نفس شعلہ بداماں نظر آتا ہے مجھے

کچھ مجھی تک نہیں محدود مرا ذوقِ جنوں
پھول بھی چاکِ گریباں نظر آتا ہے مجھے

اپنی جاتی ہوئی دنیا کی قسم اے غمِ ہجر
تو بھی اک رات کا مہماں نظر آتا ہے مجھے

منکرِ ذات تری بحث مسلّم لیکن!
یوں وہ کچھ اور نمایاں نظر آتا ہے مجھے

ایک واعظ ہی تھا منجملۂ اسبابِ خلوص!
وہ بھی اس دور کا انساں نظر آتا ہے مجھے

حسن پابندِ رہ و رسمِ وفا کیوں نہ رہا
ہائے پہلا سا محبت میں اثر کیوں نہ رہا

اکثر آتا ہے غمِ عشق میں وہ بھی عالم
سوچتا ہوں تری نظروں سے جدا کیوں نہ رہا

بے خودی دائرۂ ہوش میں آ ہی جاتی
اور دو چار گھڑی پردہ اٹھا کیوں نہ رہا

تیری افسردہ نگاہی سے یہ شکوہ ہے کہ میں
راز بن کر ترے سینے میں چھپا کیوں نہ رہا

حسن کے حسنِ ندامت کی قسم کیا کہیے
دل کو اب حوصلۂ ترکِ وفا کیوں نہ رہا

دیں صدائیں درِ انساں ہی پہ انسان نے تشکیل
ہائے دنیا میں غریبوں کا خدا کیوں نہ رہا

○

یہ کیا طلسمِ غم کدۂ کائنات ہے!
باوصفِ مہر و ماہ نہ دن ہے نہ رات ہے

دل بے نیازِ آرزوئے التفات ہے
شاید اسی کا نام سکونِ حیات ہے

آزاد لاکھ اسیرِ غمِ عشق ہو تو کیا
یہ قید کم نہیں کہ بقیدِ حیات ہے

اپنا ہی عکس دیکھتا رہتا ہوں چارسو
عالم تمام آئینۂ حسنِ ذات ہے

انساں ہزار منزلِ رفعت پہ ہو شکیلؔ
ایسے میں خود کو بھول نہ جائے تو بات ہے

○

انداز مداوائے جنوں کام نہ آیا
کوشش تو بہت کی مگر آرام نہ آیا
جب تک وہ تجلی رہی آغوشِ نظر میں
بھولے سے بھی ذکرِ سحر و شام نہ آیا
یوں کم نہ ہوئی رونقِ ہنگامۂ محفل
محفل میں کوئی واقفِ انجام نہ آیا
صد حیف کہ برباد ہوئے ہم تری خاطر
صد شکر کہ تجھ پہ کوئی الزام نہ آیا
اعجازِ مسیحا پہ شکیلؔ آپ ہیں نازاں
اعجازِ مسیحا بھی اگر کام نہ آیا

○

تکمیلِ شباب چاہتا ہوں
ہو جاؤں خراب چاہتا ہوں

سر معرکۂ الم ہے کرنا!
تھوڑی سی شراب چاہتا ہوں

اپنی ہی التفاتِ نظر کی!
اس رخ پر نقاب چاہتا ہوں

ہائے اے غمِ عشرتِ گذشتہ
اک فرصتِ خواب چاہتا ہوں

اس چھیڑ پہ زندگی تصدق
بے وجہ عتاب چاہتا ہوں

کچھ ایسی حقیقتیں ہیں جن کو
پابندِ حجاب چاہتا ہوں

○

آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے کوئی
دل کو کھینچے لئے جاتا ہے کوئی

وائے حیرت کہ بھری محفل میں
مجھ کو تنہا نظر آتا ہے کوئی

صبح کی مست فضاؤں کی قسم
روز آ آ کے جگاتا ہے کوئی

منظرِ حسن دو عالم کے نثار
مجھ کو آئینہ دکھاتا ہے کوئی

چاہیے خود پہ یقینِ کامل
حوصلہ کس کا بڑھاتا ہے کوئی۔

اے رہروِ راہِ عشق و وفا، رفتارِ نگاہ و دل پہ نہ جا
ہر گام پہ اک منزل ہے نئی، اس راہ گذر کے پڑے ہیں

بن جائے قہرِ عشرتِ پیہم کبھی کبھی
دل کو سکوں نہ دے جو ترا غم کبھی کبھی

لمحاتِ یادِ دوست کو صرفِ دعا نہ کر
آتے ہیں زندگی میں یہ عالم کبھی کبھی

زاہد کی مے کشی پہ تعجب نہ کیجئے
لائی ہے رنگ فطرتِ آدم کبھی کبھی

مرکز سے ہو کے دور بہ ایں اختصارِ عمر
روتی ہے اپنے حال پہ شبنم کبھی کبھی

کیف و نشاطِ درد کا عالم نہ پوچھئے
ہنس کر گذار دی ہے شبِ غم کبھی کبھی

ان کی خوشی کو اپنی خوشی جان کر شکیلؔ
سر کر لیا ہے معرکۂ غم کبھی کبھی

اب تو ہر عنوانِ عیش و غم سے جی گھبرا گیا
زیست کے افسانۂ پیہم سے جی گھبرا گیا

سوزِ عشق و گریہ پیہم سے جی گھبرا گیا
ارتباط شعلہ و شبنم سے جی گھبرا گیا

کوئی دیکھے تو ذرا یہ طرزِ تنظیم حیات
پھر وہی عالم کہ جس عالم سے جی گھبرا گیا

اب مجھی پر منحصر ہے فیصلہ برقِ جمال!
چشم و دل کی چشمکِ باہم سے جی گھبرا گیا

سعی تکمیل محبت تو بجا ہے اے شکیلؔ
اور اگر ناکامیٔ پیہم سے جی گھبرا گیا

○

آنکھ ان کو دیکھتی ہے نظارہ کئے بغیر
پردے میں چھپ گئے ہیں وہ پردہ کئے بغیر
ہر چند دردِ عشق کا درماں نہیں مگر
بنتی نہیں ہے فکرِ مداوا کئے بغیر
زاہد سے پوچھئے غمِ دنیا کی عظمتیں
عقبیٰ نہ مل سکی غمِ دنیا کئے بغیر
ہم کو بھی دیکھنا ہے کہ یہ منکرینِ عشق
کب تک رہیں گے تیری تمنا کئے بغیر
شعر و ادب کی راہ میں ہوں گامزن شکیلؔ
اپنے مخالفین کی پروا کئے بغیر!

○

دید کے حوصلے ہیں گم جلوۂ حسن ذات میں
دخلِ نگاہ کچھ نہیں دل کے معاملات میں

دل سے نہ قطع راہ کر، دل کی طرف نگاہ کر
دیکھ یہ وسعتیں کہاں، دامنِ کائنات میں

جرأتِ شکوہ بھی نہیں جن کے حضور بار بار
ہیں وہ ستم چھپائے ہوئے پردۂ التفات میں

فیض جنوں سے مٹ گیا خلوت و انجمن کا فرق
حشر بپا ہے آج کل، بزم تصورات میں

حسن و نظر کی کشمکش ختم ہوئی نہ تھی ہنوز!
دل بھی اُلجھ کے رہ گیا، دام تجلیات میں

شکوۂ غم نہ کر شکیلؔ، حسنِ مآل کو بھی دیکھ
ہے کوئی مصلحت ضرور ان کی ہر ایک بات میں

عقل نے سزا پائی شرحِ رنگ دلبر کر کے
یعنی خود کو کھو بیٹھے ان کی جستجو کر کے

وہ بھی دل گرفتہ ہیں، اپنی کیا کہوں ناصح!
مجھ سے گفتگو کرنا، ان سے گفتگو کر کے

اک جنونِ بے معنی، اک یقین لاحاصل!
اور کیا ملا ظالم، تیری آرزو کر کے

آرزو لرزتی تھی جن کا نام بھی سن کر!
ان کو پا لیا ہم نے ترکِ آرزو کر کے

پھر تلاطم میں لے گئیں موجیں
مجھ کو صورت دکھا کے ساحل کی

صبح کا افسانہ کہہ کر شام سے
کھیلتا ہوں گردشِ ایام سے

ان کی یاد، ان کی تمنا، ان کا غم
کٹ رہی ہے زندگی آرام سے

عشق میں آئیں گی وہ بھی ساعتیں
کام نکلے گا دلِ ناکام سے

لاکھ میں دیوانہ و رسوا سہی!
پھر بھی اک نسبت ہے تیرے نام سے

صبحِ گلشن دیکھئے کیا گل کھلائے
کچھ ہوا بدلی ہوئی ہے شام سے

ہائے میرا ماتمِ تشنہ لبی!
شیشہ مل کر رو رہا ہے جام سے

بےخودی پر شاید ان کا بس نہیں
ہوش آ جاتا ہے ان کے نام سے

ہر نفس محسوس ہوتا ہے شکیل
آ رہے ہیں نامہ و پیغام سے

○

رفعت خیال ہیں ہے نہ وسعت نظر میں ہے
محدود حسنِ یار دلِ بے خبر میں ہے

برگشتگیٔ قسمت واعظ نظر میں ہے
سب میکدے میں اور وہ بیچارہ گھر میں ہے

منزل کو پا کے بھی نہ قدم مطمئن ہوئے!
کس درجہ پختگی مرے عزمِ سفر میں ہے

دیرینہ غفلتوں کو ذرا یاد کر کے دیکھ
اک شخص اجنبی سا تری رہ گذر میں ہے

بیٹھا ہوں سر جھکائے ہوئے ان کی بزم میں
شاید مری نظر بھی ہجوم نظر میں ہے

دنیا نہ جس کو دیکھ سکی آج تک شکیلؔ
مجھ کو یہ ناز ہے کہ وہ میری نظر میں ہے

○

جلوۂ معتبر کو کیا کہئے!

دل نہیں دل تر کو کیا کہئے

جو گذرتے ہیں آہ تیرے بغیر
ایسے شام و سحر کو کیا کہئے

عشق نے پالیا خود اپنا مقام
ان کی پہلی نظر کو کیا کہئے

دور ہو کر بھی پاس ہے کوئی
اہتمامِ نظر کو کیا کہئے

تھا مقدر میں چھوٹ کے مرجانا
غفلتِ چارہ گر کو کیا کہئے

مجھ سے غافل بھی میری جاں بھی
احتیاطِ نظر کو کیا کہئے

○

مری زندگی پہ نہ مسکرا، مجھے زندگی کا الم نہیں!
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں

مرا کفر حاصلِ زہد ہے، مرا زہد حاصلِ کفر ہے
مری بندگی ہے وہ بندگی جو رہینِ دیر و حرم نہیں

مجھے راس آئیں خدا کرے یہی اشتباہ کی ساعتیں
انہیں اعتبارِ وفا تو ہے، مجھے اعتبارِ ستم نہیں

وہی کارواں، وہی راستے، وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

نہ وہ شانِ جبرِ شباب ہے نہ وہ رنگِ قہرِ عتاب ہے
دلِ بے قرار پہ ان دنوں ہے ستم یہی کہ ستم نہیں

نہ فنا مری نہ بقا مری، مجھے اے شکیلؔ نہ ڈھونڈیے
میں کسی کا حسنِ خیال ہوں مرا کچھ وجود و عدم نہیں

○

میری دیوانگی نہیں جاتی
رو رہا ہوں ہنسی نہیں جاتی

تذکرۂ مے اسے سمجھ ناصح
اتنی پی ہے کہ پی نہیں جاتی

جب سے دیکھا ہے ان کو بے پردہ
نخوتِ آگہی نہیں جاتی

شوخیٔ حسن بے اماں کی قسم
حسن کی سادگی نہیں جاتی

ان کی دریا دلی کو کیا کہئے
میری تشنہ لبی نہیں جاتی

○

موسمِ خوشگوار کی راتیں
آگئیں پھر بہار کی راتیں

کیف کی صبح انبساط کی شام
حسن کے دن نکھار کی راتیں

آہ یہ فصلِ گل یہ رعنائی
اور یہ انتظار کی راتیں

میرے دل سے نہ پوچھئے کیا ہیں
بزمِ ناسازگار کی راتیں

کالی کالی مہیب وحشت ناک
جیسے اک سوگوار کی راتیں

دیکھتی ہیں گھٹائیں ساون کی
دیدۂ اشکبار کی راتیں!

بجلیاں بھی ہیں دیکھ کر لرزاں
اُف دلِ بے قرار کی راتیں

آہ ایسے میں یاد آتی ہیں!
وہ سکون و قرار کی راتیں

○

وہ حیات آفریں نظر افروز
جلوۂ حسنِ یار کی راتیں

وہ مسرت وہ انبساط کے دن
وہ محبت وہ پیار کی راتیں

نغمہ ریز و معطر و مخمور!
جیسے اک بادہ خوار کی راتیں

گہرا گہرا وہ رنگِ چشمِ سیاہ
ہلکے ہلکے خمار کی راتیں

اوجِ ناز و نیاز کا عالم
عظمت و اقتدار کی راتیں

ہائے وہ حسن و عشق کی چھیڑیں
اُف وہ قول و قرار کی راتیں

روٹھنا پھر وہ خود ہی من جانا
نخوت و انکار کی راتیں

باہمی وہ نباہ کے وعدے
وعدہ و اعتبار کی راتیں

دائمی کیف و حسن کے لئے
یاد دلانی بہار کی راتیں

گذری جاتی تھیں آنکھوں آنکھوں میں
جیسے شب زندہ دار کی راتیں

اب وہ ہنگامہ و نشاط کہاں
مٹ گئیں وہ خمار کی راتیں

ہو گئیں اختیار سے باہر
قبضہ و اختیار کی باتیں

یادِ ایامِ زیست لے کے نئی
آ گئیں پھر بہار کی راتیں

بس اک نگاہ کرم ہے کافی اگر انہیں پیش و پس نہیں ہے
زہے تمنّا کہ میری فطرت اسیر حرص و ہوس نہیں ہے

جہاں کی نیرنگیوں سے یکسر بدل گئی آشیاں کی صورت
قفس سمجھتے ہیں جن کو نظریں وہ در حقیقت قفس نہیں ہے

کہاں کے نالے کہاں کی آہیں، جمی ہیں ان کی طرف نگاہیں
کچھ اس طرح محو یاد ہوں میں کہ فرصتِ یک نفس نہیں ہے

تصوّر عشرتِ گذشتہ کا حسنِ تاثیر اللہ اللہ
وہی فضائیں وہی ہوائیں چمن سے کچھ کم قفس نہیں ہے

کسی کی بے اعتنائیوں نے بدل ہی ڈالا نظامِ گلشن!
جو بات پہلے بہار میں تھی، وہ بات اب کے برس نہیں ہے

نہ ہوشِ خلوت، نہ فکر محفل، عیاں ہو اب کس پہ دل
میں آپ ہی اپنا ہم نفس ہوں مرا کوئی ہم نفس نہیں ہے

سنی ہیں اہلِ جنوں نے اکثر خموشیٔ مرگ کی صدائیں
سُنا یہ تھا کاروان ہستی رہینِ بانگِ جرس نہیں ہے

چمن کی آزادیاں مؤخّر، تصوّرِ آشیاں مقدّم
غمِ اسیری ہے نامکمل اگر غمِ خار و خس نہیں ہے

شکیلؔ دنیا میں جس کو دیکھا کچھ اس کی دنیا ہی اور دیکھی
ہزار نقادِ زندگی ہیں مگر کوئی نکتہ رس نہیں ہے

○

محفل میں کوئی سوختہ جاں ہی نہیں شکیلؔ
سوز و گدازِ شمع پہ آنسو بہائے کون

○

ان کے بغیر ہم جو گلستاں میں آ گئے
محسوس یہ ہوا کہ بیاباں میں آ گئے

تشہیرِ دل گرفتگیٔ حسن ہو گئی
آنسو جھلک کے چشم پشیماں میں آ گئے

ہم ترکِ ربط و ضبطِ محبّت کے باوجود
سو بار کھنچ کے کوچۂ جاناں میں آ گئے

پھولوں کو راس آیا نہ جب عرصۂ بہار
گلشن سے ہٹ کے گوشۂ داماں میں آ گئے

ہر چند اہلِ ہوش تھے اربابِ زندگی
لیکن فریبِ گردشِ دوراں میں آ گئے

آیا مری زباں پہ یکایک جو ان کا نام
کس کس کے ہاتھ میرے گریباں میں آ گئے

چھپ کر نگاہِ شوق سے دل میں پناہ لی
دل میں نہ چھپ سکے تو رگِ جاں میں آ گئے

تھے منتشر ازل میں جو ذراتِ کوئے دوست
انساں کے عالمِ امکاں میں آ گئے

اداؤں میں ہیں رعنائیاں شکیل!
اشعار بن کے وہ مرے دیواں میں آ گئے

○

جو دل پہ گذرتی ہے وہ سمجھا نہیں سکتے
ہم دیکھنے والوں کو نظر آ نہیں سکتے

بے قیدِ رسوم آئی ہیں گلشن میں بہاریں
اب ہاتھ گریباں کی طرف جا نہیں سکتے

رنگینیٔ مستقبلِ روشن ہے نظر میں
ہم تلخیٔ ماحول سے گھبرا نہیں سکتے

مغرور نہ ہو فصلِ خزاں آ کے چمن میں
ایسے بھی ہیں کچھ پھول جو مرجھا نہیں سکتے

مانا کہ ترے لطف و کرم خواب ہیں لیکن
ہر شخص کو یہ خواب نظر آ نہیں سکتے

تفسیرِ دو عالم ہے تشکیل اپنا تغزل
میدانِ غزل چھوڑ کے ہم جا نہیں سکتے

ان سے امید رونمائی ہے
کیا نگاہوں کی موت آئی ہے

دل نے غم سے شکست کھائی ہے
عمر رفتہ تری دہائی ہے

دل کی بربادیوں پہ نازاں ہیں
فتح پا کر شکست کھائی ہے

میرے معبد نہیں ہیں دیر و حرم
احتیاطاً جبیں جھکائی ہے

وہ ہوا دے رہے ہیں دامن کی
ہائے کس وقت نیند آئی ہے

کھل گیا ان کی آرزو میں یہ راز
زیست اپنی نہیں پرائی ہے

دور رہ غنچے میری نظروں سے
تو نے میری ہنسی چرائی ہے

گل افسردہ، چمن اداس اداس
یوں بھی اکثر بہار آئی ہے

آمدِ فصلِ خزاں کا جو نہ امکاں ہوتا
کس قدر حسن پہ مغرور گلستاں ہوتا

کھل گیا تجزیۂ غم سے ہر ایک رازِ حیات
زیست مبہم تھی اگر دل نہ پریشاں ہوتا

تو نے سوچا کبھی دامن کو بچانے والے
کچھ سکت ہاتھ میں ہوتی تو یہ داماں ہوتا

میری فطرت کو کہاں تابِ جمودِ ساحل
وہی کشتی، وہی دریا، وہی طوفاں ہوتا

سرد ہے انجمنِ شعر شکیل ان کے بغیر
وہ میرے سامنے آتے میں غزل خواں ہوتا

○

بہار آئی کسی کا سامنا کرنے کا وقت آیا
سنبھل اے دل کہ اظہار وفا کرنے کا وقت آیا

رواں ہیں اپنے مرکز کی طرف آسودہ اُمیدیں
ہجوم یاس کو دل سے جُدا کرنے کا وقت آیا

پھر اک گم کردہ راہِ زندگی کو مل گئی منزل
سجودِ فکر بے پایاں ادا کرنے کا وقت آیا

کہاں تک ختم رہتا درمیاں پر دل کا افسانہ
بالآخر درمیاں سے ابتدا کرنے کا وقت آیا

وہ آتے ہیں شکیلؔ اب اپنے دل سے ہاتھ دھو بیٹھو
نگاہِ ناز کی قیمت ادا کرنے کا وقت آیا

○

اللہ اللہ مقامِ ضبط و الم
ڈگمگاتے ہیں زندگی کے قدم

سعیٔ تشریحِ آرزو کی قسم
محرمِ آرزو نہ تم ہو ، نہ ہم

کھولنا تھا حیاتِ نو کا بھرم
اک بہانہ تھی لغزشِ آدم

موجِ انفاسِ زاہداں توبہ!
بجھ نہ جائے کہیں چراغِ حرم

زندگی ہے ورائے مرگ و حیات
میں نہیں قائلِ وجود و عدم

سائے کی طرح اپنے مانندِ شکیلؔ
چل رہا ہے مرے قدم بہ قدم!

اثر نہ کھائے گی سعیِ گراں کبھی نہ کبھی
بدل ہی جائے گا نظمِ جہاں کبھی نہ کبھی

بہار ہو کے رہے گی عیاں کبھی نہ کبھی
چمن کو چھوڑ ہی دے گی خزاں کبھی نہ کبھی

کہاں تک اے دلِ مضطرب فریبِ تابِ سکوت
اُلجھ پڑے گی نظر سے زباں کبھی نہ کبھی

یقین ہے کہ وہ بے تابیوں سے تنگ آکر
کریں گے پرسشِ دردِ نہاں کبھی نہ کبھی

نہ آئے حرف کہیں ترکِ آرزو پہ شکیلؔ
وہ ہوں گے مصلحتاً مہرباں کبھی نہ کبھی

○

غمِ عشق رہ گیا ہے غمِ جستجو میں ڈھل کر
وہ نظر سے چھپ گئے ہیں مری زندگی بدل کر

تری گفتگو کو ناصح دلِ غم زدہ سے جل کر
ابھی تک تو سن رہا تھا مگر اب ذرا سنبھل کر

نہ ملا سراغِ منزل کہیں عمر بھر کسی کا
نظر آ گئی ہے منزل کہیں دو قدم ہی چل کر

غمِ عمرِ مختصر سے ابھی بے خبر ہیں کلیاں
نہ چمن میں پھینک دینا کسی پھول کو مسل کر

ہیں کسی کے منتظر ہم مگر اے امیدِ مبہم
کہیں وقت رہ نہ جائے یونہی کروٹیں بدل کر

مری تیز گامیوں سے نہیں برق کو بھی نسبت
کہیں کھو نہ جائے دنیا مرے ساتھ ساتھ چل کر

کبھی یک بیک توجہ کبھی دفعتاً تغافل
مجھے آزما رہا ہے کوئی رخ بدل بدل کر

ہیں شکیلؔ زندگی میں یہ جو وسعتیں نمایاں
انہیں وسعتوں سے پیدا کوئی عالمِ غزل کر

○

اب تک شکایتیں ہیں دلِ بدنصیب سے
اک دن کسی کو دیکھ لیا تھا قریب سے

اکثر بہ زعمِ ترکِ محبت خدا گواہ
گزرا چلا گیا ہوں دیارِ حبیب سے

دستِ خزاں نے بڑھ کر وہیں اسکو چُن لیا
جو پھول گر گیا نگہہ عندلیب سے

اہلِ سکوں سے کھیل نہ اے موجِ انبساط
اک دن اُلجھ کے دیکھ کسی بدنصیب سے

تا اہلِ ناز کو بھی ملے فرصتِ نیاز
میں دور ہٹ گیا جو وہ گزرے قریب سے

یہ کس خطا پہ روٹھ گئی چشمِ التفات
یہ کب کا انتقام لیا مجھ غریب سے

ان کے بغیر بھی وہی ہے زندگی کا دور
حالاتِ زندگی ہیں کچھ عجیب سے

سمجھے ہوئے تھے حسنِ ازل جس کو ہم شکیل
اپنا ہی عکسِ رُخ نظر آیا قریب سے

○

بے اثر دورِ جام ہے اب تک
زندگی تلخ کام ہے اب تک

نارسا ہر پیام ہے اب تک
پست ذوقِ عوام ہے اب تک

مہر تاباں سے کھیلنے والو!
مری دنیا میں شام ہے اب تک

پینے والے تو کب کے پی بھی گئے
مرے ہاتھوں میں جام ہے اب تک

گفتگو ان سے لاکھ بار ہوئی!
آرزوئے کلام ہے اب تک

تلخیٔ غم کی دل کو تاب نہیں
مے کشی کیوں حرام ہے اب تک

وائے رجعت پسندیٔ زنداں
قید ظرف و مقام ہے اب تک

ذوقِ لطیف و چشمِ حقیقت نگر کہاں
حُسنِ ازل تو عام ہے حُسنِ نظر کہاں

تیرے حضور وسعتِ قلب و نظر کہاں
جو تجھ میں کھو گیا اسے اپنی خبر کہاں

ہے مصلحت گذار نہ عالم شباب کا
اے وقت ناشناس یہ دن عمر بھر کہاں

جلوے سما ہی جائیں گے آئے تو کوئے دوست
دامن سے بچ کے جائیگی گردِ سفر کہاں

ہر چند آندھیوں کی ہیں گلشن میں یورشیں
لیکن ابھی شکستِ نسیمِ سحر کہاں

ایک روز میں تو ڈھونڈھ ہی لونگا جہانِ نو
دنیا مجھے تلاش کرے گی مگر کہاں

ہر لحظہ ناتمام ہے رودادِ غم شکیلؔ
اہلِ نظر کو فرصتِ نقد و نظر کہاں

O

فطرت کے حسین نظاروں میں پر کیف خزانے اور بھی ہیں
میخانہ اگر ویران ہے تو کیا رندوں کے ٹھکانے اور بھی ہیں

آغازِ جفا کی "تلخی سے" گھبرا نہ دلِ آزار طلب
یہ وقت یہیں پر ختم نہیں کچھ "تلخ زمانے اور بھی ہیں

لمحاتِ حسین پرسشِ غم، محدود نہیں "تا شکر کرم
بے لفظ سہی، بے نام سہی، ہونٹوں کے فسانے اور بھی ہیں

جینا ہے تجھے پینے کے لئے، اے دوست کسی عنوان سے پی
جینے کا بہانا ایک سہی، پینے کے بہانے اور بھی ہیں

غنچوں کے چٹکنے پر ہی نہ ہوں مصروف توجہ اہلِ چمن
کچھ نیم شگفتہ ہونٹوں پر خاموش ترانے اور بھی ہیں

یہ جلوہ گہہ فطرت ہی نہیں، اربابِ جہاں کا عکسِ حسیں
اس جلوہ گہہ فطرت کے سوا کچھ آئینہ خانے اور بھی ہیں

ہر تیر نظر کی جنبش میں پاتا ہوں تشکیل اندازِ جنوں!
معدوم ہے اب تک جس کا نشانہ کچھ ایسے نشانے اور بھی ہیں

○

نگاہوں کو کہاں تک تابِ حضوری
قرینِ مصلحت ہے ان سے دوری
نہ چھیڑ او بے وفا ذکرِ تغافل
کہانی پھر نہ رہ جائے ادھوری
مقاماتِ خرد سے بے خبر ہے
ارے توبہ خرد کی بے شعوری
بقدرِ اعتبارِ دیدہ و دل
ترے جلووں سے قربت ہے نہ دوری
محبت ساتھ دیتی ہے نفس کا
مگر جب تک تمنّا ہو نہ پوری
وہاں قیدِ سکوت و شرطِ آداب
یہاں ہونٹوں پہ احوالِ ضروری
شکیل آ ہی گئے وہ دل گرفتہ
مجھے راس آ گئی دل کی ناصبوری

○

آنکھوں سے دور صبح کے تارے چلے گئے
نیند آگئی تو غم کے نظارے چلے گئے

دل تھا کسی کی یاد میں مصروف اور ہم
شیشے میں زندگی کو اتارے چلے گئے

اللہ ری بے خودی کہ ہم ان ہی کے روبرو
بے اختیار انہیں کو پکارے چلے گئے

مشکل تھا کچھ تو عشق کی بازی کا جیتنا
کچھ جیتنے کے خوف سے ہارے چلے گئے

ناکامیٔ حیات کا کرتے بھی کیا گلہ!
دو دن گذارنا تھے گذارے چلے گئے

ان کے بغیر زیست بہرحال زیست ہے
جیسے گذر رہی تھی گذارے چلے گئے

جلوے کہاں جو ذوقِ تماشا نہیں شکیل
نظریں چلی گئیں تو نظارے چلے گئے

O

گلشن ہوں لگا ہوں میں تو جنّت نہ سمجھنا
دم بھر کی عنایت کو محبّت نہ سمجھنا

کیا شے ہے متاعِ غم و راحت نہ سمجھنا
جینا ہے تو جینے کی حقیقت نہ سمجھنا

ہو خیر ترے غم کی ہم نے ترے غم سے
سیکھا ہے مسرّت کو مسرّت نہ سمجھنا

نسبت ہی نہیں کوئی محبت کو خرد سے
اے دل کبھی مفہوم محبّت نہ سمجھنا

یہ کس نے کہا تم سے کہ روداد وفا کو
سن کر بھی سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھنا

ویرانیٔ ماحول کو بربادیٔ دل کو
ہر دور کو آثار محبّت نہ سمجھنا

سر خم ہو اگر مصلحتِ وقت کے آگے
اس جبر مسلسل کو عبادت نہ سمجھنا

دیکھے جو تمہیں کوئی محبّت کی نظر سے
للّٰہ شکیلؔ اس کو محبّت نہ سمجھنا

○

زندگی لے کے اربابِ جاں چل دیئے
راہ سونی ہوئی کارواں چل دیئے

بن کے آئے سراپا حقیقت مگر
دیکھ کر خوابِ گراں چل دیئے

کہنے آئے تھے محفل میں اک داستاں
بن کے عنوان ہر داستاں چل دیئے

بعد ترکِ محبت ہم ان کی طرف
جانے والے نہ تھے ناگہاں چل دیئے

کب اٹھا بارِ ہستی کہ اہلِ جنوں
ناتواں آئے تھے ناتواں چل دیئے

اے شکیل ان کی محفل سے جاتے تو ہو
اور اگر دل نے پوچھا کہاں چل دیئے

○

تری محفل سے اُٹھ کر عشق کے ماروں پہ کیا گذری
مخالف اک جہاں تھا جانے بیچاروں پہ کیا گذری

سحر کو رخصت بیمارِ فرقت دیکھنے والو!
کسی نے یہ بھی دیکھا رات بھر تاروں پہ کیا گذری

سنا ہے زندگی ویرانیوں نے لوٹ لی مل کر
نہ جانے زندگی کے ناز برداروں پہ کیا گذری

ہنسی آئی تو ہے بے کیف سی لیکن خدا جانے
مجھے مسرور پا کر میرے غم خواروں پہ کیا گذری

اسیرِ غم تو جاں دے کر رہائی پا گیا لیکن
کسی کو کیا خبر زنداں کی دیواروں پہ کیا گذری

نقشِ فطرت نے جو ابھارے ہیں
کچھ کنائے ہیں کچھ اشارے ہیں
ہم سے پوچھو بہارِ جلوۂ دوست
ہم نے فرقت کے دن گزارے ہیں
رونقِ چرخ دیکھنے والو!
کچھ زمیں پر بھی چاند تارے ہیں
تم زمانے کے ہو ہمارے سوا
ہم کسی کے نہیں تمہارے ہیں
ہم سے زندہ تھی زندگی کل تک
آج ہم زندگی کے مارے ہیں
جب نظارے نہ تھے نگاہیں تھیں
اب نگاہیں نہیں نظارے ہیں
دیکھ کر ہاتھ ڈالنا گلچیں!
اب یہ غنچے نہیں شرارے ہیں
جن کو آنسو سمجھ رہے ہو شکیلؔ
دل کے ٹوٹے ہوئے سہارے ہیں

○

خرامِ زندگی ہے والہانہ
ذرا آگے سے ہٹ جائے زمانہ
ہزاروں بار ملنے پر بھی اب تک
تعارف کسی سے ہے غائبانہ
چمن پر بجلیاں منڈلا رہی ہیں
کہاں پر لے کے جاؤں شاخِ آشیانہ
ازل سے لٹ رہی ہے دولتِ غم
مگر خالی نہیں ہوتا خزانہ
اجازت ہو تو اے اربابِ محفل
کروں کچھ شکوۂ رنگِ زمانہ
بظاہر لطف بھی مہر و وفا بھی
پسِ پردہ یہ سب کچھ تاجرانہ
شکیلؔ ان کشمکش کی ساعتوں میں
غزل کیسے کہوں میں عاشقانہ

○

اللہ اللہ مآلِ نظمِ کہن!
زندگی زندگی کی ہے دشمن
ہے خرد آج کل حریفِ جنوں
ہے جنوں ان دنوں تہی دامن
کیا خبر تھی بہاریں اب کے
چاک ہوں گے دلوں کے پیراہن
وائے بے مائیگی فکر و نظر
ہے سخن سے جدا مذاقِ سخن
خونِ انسانیت کے پیاسوں نے
نام صحرا کا رکھ دیا ہے چمن
پھر دلوں میں نئی امنگ اٹھی
لے کے عزمِ شکست کوہ و دمن
زندگی کی شکستہ حالی پر
رو رہی ہے شکیلؔ عظمتِ فن

O

متاعِ غمِ عاشقی مانگ لوں گا
تمہیں سے تمہاری خوشی مانگ لوں گا

دمِ نزع بالیں پہ آئے اگر تم!
خدا سے نئی زندگی مانگ لوں گا

تمہیں اک نہیں حُسن والے ہیں لاکھوں
کسی چاند سے چاندنی مانگ لوں گا

جواز خود نہ بدلا نظامِ دوعالم!
تری زلف سے برہمی مانگ لوں گا

اگر مٹ گیا زعمِ ترکِ محبت
تری نازِ بے گانگی مانگ لوں گا

خزاں نے اگر سر چڑھایا خرد کو
بہاروں سے دیوانگی مانگ لوں گا

شکیلؔ ان کے در سے نہ لوٹوں گا خالی
جو دل چاہتا ہے وہی مانگ لوں گا

○

ترے بغیر عجب بزم دل کا عالم ہے
چراغ سینکڑوں جلتے ہیں روشنی کم ہے
جو جی رہے ہیں انہیں کیلئے ہر اک غم ہے
زہے نصیب کہ پھولوں کی زندگی کم ہے
قفس سے آئے چمن میں تو بس یہی دیکھا
بہار کہتے ہیں جس کو خزاں کا عالم ہے
خیال ترک محبّت کی خیر ہو یارب
کچھ آج مست نگاہوں کی روشنی کم ہے
بہار آئے چمن میں یہ انتظار نہ دیکھ
شکیلؔ اپنے جنوں کی بہار کیا کم ہے

○

جذبات کی رو میں بہہ گیا ہوں
کہنا جو نہ تھا وہ کہہ گیا ہوں
ہر لمحۂ خوشی میں اکثر!
دو اشک بہا کے رہ گیا ہوں
تھا جن پہ گماں ترے ستم کا
کچھ ایسے کرم بھی سہہ گیا ہوں
شاید وہ اسے جنوں سمجھ لیں!
ہر اک بات تنے کی کہہ گیا ہوں
اب کیا غمِ ساحل و تلاطم
اک موج کے ساتھ بہہ گیا ہوں

کلام تازہ

کیا کشش حسنِ روزگار میں ہے
غم بھی ڈوبا ہوا بہار میں ہے

جب سے کھائے ہیں اس نظر کے فریب
میرا دل میرے اختیار میں ہے

دل کی دھڑکن یہ دے رہی ہے صدا
جا کوئی تیرے انتظار میں ہے

ہو پریشاں حجاب غم سے نہ دل
کارواں پردۂ غبار میں ہے

نالۂ نیم شب کو غور سے سُن
ایک نغمہ بھی اس پکار میں ہے

کھول دے بابِ مے کدہ ساقی
ایک فرشتہ بھی انتظار میں ہے

محوِ گردش ہے کائناتِ تخیل
میری تقدیر کس شمار میں ہے

پنہاں دلِ بے تاب میں ارمان بہت ہیں
گھر اپنا سلامت رہے مہمان بہت ہیں

بت خانے میں کفر کے سامان بہت ہیں
کعبے میں بھی غارت گرِ ایمان بہت ہیں

تو خود کو فرشتہ نہ سمجھ واعظِ ناداں!
دنیا میں تیرے رنگ کے انسان بہت ہیں

ترغیبِ سفر ہم کو نہ دے اے غمِ دوراں
ہستی پہ غمِ عشق کے احسان بہت ہیں

ہنستا ہوا کہسارِ حوادث سے گذر جا!
پھر دیکھ کہ تیرے لئے میدان بہت ہیں

تنظیمِ جہاں چاہیئے نئی ہو کہ پرانی
میرے لئے یارب تیرے فرمان بہت ہیں

ذکرِ لبِ ساحل سے ابھی کچھ نہیں حاصل
کشتی کی خبر لیجیئے طوفان بہت ہیں

ہوگا نہ شکیلؔ آپ سے اظہارِ تمنا!
مشکل ہیں وہ کام جو آسان بہت ہیں

○

کوششِ ترکِ محبت رائیگاں ہونے لگی
میری غیرت انکے چہرے سے عیاں ہونے لگی

کیوں نہ ہم سمجھیں بھلا اس مہربانی کو ستم
تم ہوئے اپنے تو دنیا مہرباں ہونے لگی

عظمتِ غم کا تقاضہ ہے کہ غم ظاہر نہ ہو!
روک لے آنسو کہ توہینِ فغاں ہونے لگی

ہو سکا ان سے بچھڑ کر بھی نہ پیوندِ زمیں
وقت جب بگڑا تو مٹی بھی گراں ہونے لگی

رات بھر بیدار رکھا مجھ کو شورِ چنگ نے
نیند جب آئی تو مسجد میں اذاں ہونے لگی

خانہ ویرانوں کا دن تو کٹ گیا پرواز میں!
شام ہوتے ہی تلاشِ آشیاں ہونے لگی

لگ گئیں پابندیاں باہر نکلنے پر شکیل!
دخترِ رز جب شیش محلوں میں جواں ہونے لگی

تصاویرِ کہن اب کون دیکھے دل کے پردے میں!
نئے چہرے نظر آتے ہیں مستقبل کے پردے میں!

نہیں ہے گوش بر آواز صدرِ انجمن اب تک
ہزاروں نغمے رقصاں ہیں شکستہ دل کے پردے میں

میں زندہ ہوں مجھے اے ناخدا طوفاں میں لے چل
میرے ذوقِ عمل کی موت ہے ساحل کے پردے میں

کہاں دیوانہ لاغر، کہاں ذوقِ جنوں پرور
کوئی لیلیٰ نظر آتی ہے اس محمل کے پردے میں

جنونِ عشق کی حامل ہے ہر انسان کی ہستی!
شرارے بھی ہیں اس تصویرِ آب و گل کے پردے میں

جہانِ رنگ و بو میں کیوں تلاشِ حسن ہو مجھ کو
ہزاروں جلوے رخشندہ ہیں میرے دل کے پردے میں

شکیل انساں کو اک عزمِ محکم کی ضرورت ہے
چھپی ہے کامرانی سعیِ لاحاصل کے پردے میں

نہ پیمانے کھنکتے ہیں نہ دور جام چلتا ہے
نئی دنیا کے رندوں میں خدا کا نام چلتا ہے

غم عشق سے ہیں غم ہستی کے ہنگامے جدا لیکن
وہاں بھی دن گذرتے ہیں یہاں بھی کام چلتا ہے

چھپے ہیں لاکھ حق کے مرحلے گمنام ہونٹوں پر
اسی کی بات چل جاتی ہے جس کا نام چلتا ہے

جنون رہروی وقت کی رفتار سے پوچھو
کوئی منزل نہیں لیکن یہ صبح و شام چلتا ہے

شکیلؔ مست کو مستی میں جو کہنا ہے کہنے دو
یہ میخانہ ہے اے واعظ یہاں سب کام چلتا ہے

○

رہِ وفا میں کوئی صاحبِ جنوں نہ ملا
دلوں میں عزم تو پائے رگوں میں خوں نہ ملا

ہزار ہم سے مقدر نے کی دغا لیکن
ہمیں مٹا کے مقدر کو بھی سکوں نہ ملا

گلوں کے رخ پہ وہی تازگی کا عالم ہے
نہ جانے ان کو غمِ روزگار کیوں نہ ملا

کہاں سے لائے وہ اک بوالہوس مذاقِ سلیم
جسے نظر تو ملی جذبۂ دروں نہ ملا

ملی تھیں ترکِ محبت کے بعد بھی آنکھیں
مگر وہ کیف، وہ اعجاز، وہ فسوں نہ ملا

فلک شگاف تھا اس درجہ اضطرابِ عمل
کہ بندگی میں فرشتوں کو بھی سکوں نہ ملا

نہ جانے کس کے سہارے رکا ہوا ہے فلک
ہمیں تو فرشِ زمیں پر کوئی ستوں نہ ملا

○

اسرارِ شگفتہ گُل کیا اس کی نظر سمجھے
جو اپنے نشیمن کو صیاد کا گھر سمجھے

وحشت کے تقاضوں نے روکا نہ قدم ان کا
منزل کو بھی دیوانے اک راہ گزر سمجھے

سورج پہ جب اک بدلی چھائی تو دھندلکا تھا
کچھ لوگ دھندلکے کو آغازِ سحر سمجھے

صد چاک کیا ہم نے خود پیرہنِ ہستی
اس پر یہ قیامت کہ عیبوں کو ہنر سمجھے

یہ کون سی جدّت ہے، یہ کیسی ترقی ہے
انسان ہی انسان کو مخلوقِ دگر سمجھے

پندارِ سیاست میں کھوئے ہوئے سودائی
تبلیغِ محبّت کو توہینِ بشر سمجھے

آئینے میں جب دیکھی صورت تو ہوئے برہم
وہ اپنی نظر کو بھی دشمن کی نظر سمجھے

بے فیضِ جنوں دنیا ادراک بھی کھو بیٹھی
قدرت کو خرد والے اک شعبدہ گر سمجھے
کھل جائیں شکیل اس پر اسرار خداوندی
اقبال کے شعروں کو انساں اگر سمجھے

میری بربادی کو چشم معتبر سے دیکھیے
میرؔ کا دیوان غالبؔ کی نظر سے دیکھیے

مسکرا کر یوں نہ اپنی رہ گزر سے دیکھیے
جس طرف میری نظر ہے ادھر سے دیکھیے

ہیں دلیل کم نگاہی اختلافاتِ نظر
زندگی کا ایک ہی رخ ہے جدھر سے دیکھیے

بھرتے رہتے ہیں جہنم زندگی کا چارہ ساز
دشمن جاں ہیں اگر گہری نظر سے دیکھیے

میرے غم خانے کے چاروں سمت ہیں دولت کدے
زندگی کی بھیک ملتی ہے کدھر سے دیکھیے

فطرتاً ہر آدمی ہے طالبِ امن و اماں
دشمنوں کو بھی محبت کی نظر سے دیکھیے

بھیج دی تصویر اپنی ان کو یہ لکھ کر شکیلؔ
آپ کی مرضی ہے چاہے جس نظر سے دیکھیے

○

روشنی سایۂ ظلمات سے آگے نہ بڑھی
زندگی کی شمع اک رات سے آگے نہ بڑھی

اپنی ہستی کا بھی انسان کو عرفاں نہ ہوا
خاک پھر خاک تھی اوقات سے آگے نہ بڑھی

حلقۂ زہد سے نہ ہٹا ہائے جمود
بندگی حمد و مناجات سے آگے نہ بڑھی

نام بدنام ہوا صنفِ غزل کا لیکن
شاعری رسم و روایات سے آگے نہ بڑھی

بے تکلف ہوئی تجدید ملاقات مگر
وہ بھی اک تشنہ ملاقات سے آگے نہ بڑھی

زلف بردوش وہ اک بار تو آئے تھے شکیل
پھر کوئی رات اس رات سے آگے نہ بڑھی

○

غمِ عاشقی سے کہہ دو رہِ عام تک نہ پہنچے
مجھے خوف ہے یہ تہمت مرے نام تک نہ پہنچے

میں نظر سے پی رہا تھا تو دل نے بد دعا دی
ترا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے

وہ نوائے مضمحل کیا نہ ہو جس میں دل کی دھڑکن
وہ صدائے اہلِ دل کیا جو عوام تک نہ پہنچے

مرے طائرِ نفس کو نہیں باغباں سے رنجش
ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے

نئی صبح پر نظر ہے، مگر آہ یہ بھی ڈر ہے
یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے

یہ ادائے بے نیازی، تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بے رُخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے

جو نقابِ رُخ اُٹھا دی تو یہ قید بھی لگا دی
اُٹھے ہر نگاہ لیکن، کوئی بام تک نہ پہنچے

انہیں اپنے دل کی خبریں مرے دل سے مل رہی ہیں
میں جو ان سے روٹھ جاؤں تو پیام تک نہ پہنچے
وہی اک خموش نغمہ ہے شکیلؔ جانِ ہستی
جو زبان پر نہ آئے جو کلام تک نہ پہنچے

O

کرنے دو اگر قتالِ جہاں تلوار کی باتیں کرتے ہیں
ارزاں نہیں ہونا ان کا لہو جو پیار کی باتیں کرتے ہیں

یہ عیش و طرب کے متوالے بیکار کی باتیں کرتے ہیں
پائل کے غموں کا علم نہیں جھنکار کی باتیں کرتے ہیں

ناحق ہے ہوس کے بندوں کو نظارۂ فطرت کا دعویٰ
آنکھوں میں نہیں ہے بیتابی، دیدار کی باتیں کرتے ہیں

غم میں بھی رہا احساسِ طرب دیکھو تو ہماری نادانی!
ویرانے میں ساری عمر کٹی، گلزار کی باتیں کرتے ہیں

بے نقدِ عمل جنت کی طلب، کیا شے ہیں جنابِ واعظ بھی
مٹھی میں نہیں دام و درم، بازار کی باتیں کرتے ہیں

کہتے ہیں انہیں کو دشمنِ دل ہے نام انہیں کا ناصح بھی
وہ لوگ جو رہ کر ساحل پر منجدھار کی باتیں کرتے ہیں

پہنچے ہیں اپنی منزل پر ان کو تو نہیں کچھ نازِ سفر!
چلنے کا جنہیں مقدور نہیں، رفتار کی باتیں کرتے ہیں

یہ اہلِ قلم، اہلِ ہنر، دیکھو تو شکیل ان سب کے جگر
فاقوں سے ہیں دل مرجھائے ہوئے دلدار کی باتیں کرتے ہیں

ہنگامۂ غم سے تنگ آ کر اظہار مسرّت کر بیٹھے!
مشہور تھی اپنی زندہ دلی دانستہ شرارت کر بیٹھے

کوشش تو بہت کی ہم نے مگر پایا نہ غم ہستی سے مفر
ویرانی دل جب حد سے بڑھی گھبرا کے محبّت کر بیٹھے

ہستی کے طلاطم میں پنہاں تھے عیش و طرب کے دھارے بھی
افسوس ہمیں سے بھول ہوئی اشکوں پہ قناعت کر بیٹھے

زندانِ جہاں سے یہ نفرت اے حضرت واعظ کیا کہنا
اللہ کے آگے بس نہ چلا بندوں سے بغاوت کر بیٹھے

گلچیں نے تو کوشش کر ڈالی سونی ہو چمن کی ہر ڈالی
کانٹوں نے مبارک کام کیا پھولوں کی حفاظت کر بیٹھے

اللہ تو سب کی سنتا ہے جرأت ہے شکیل اپنی اپنی
حاؔلی نے زباں سے اُف بھی نہ کی اقباؔل شکایت کر بیٹھے

○

نئی بندگی کے ٹھکانے بہت ہیں
کہاں سر جھکے آستانے بہت ہیں
خزاں میں بہاروں کے چرچے کئے جا
جنوں کے بھی تازیانے بہت ہیں
میں اس دور کی ترجمانی تو کرلوں گا
مگر میرے آگے زمانے بہت ہیں
یہ دنیا حقیقت کی قائل نہیں ہے
فسانے سناؤ فسانے بہت ہیں
چمن پر صدا گرتی رہتی ہے بجلی
شکیل آج بھی آشیانے بہت ہیں

O

مغرور میری چشمِ تماشا ہے ان دنوں
سو بار ان کو دور سے دیکھا ہے ان دنوں

آرائشوں سے حسن مبرا ہے ان دنوں
شاید کہ آئینے سے بھی پردہ ہے ان دنوں

پنہاں ہے زلف سر پہ ڈوپٹہ ہے ان دنوں
میں کیا شبِ فراق بھی تنہا ہے ان دنوں

جس کو بغورِ حسن ہو آجائے سامنے
اپنی نظر پہ مجھ کو بھروسہ ہے ان دنوں

دامن سے خشک دیدۂ پرنم نہ کیجیے
مدت کا ہے یہ جام جو چھلکا ہے ان دنوں

ہے جانبِ حرم درِ کاشانۂ صنم
سورج خلافِ سمت نکلتا ہے ان دنوں

چھپ چھپ کے دیکھتے ہیں وہ چلمن کی اوٹ سے
جلوے پکارتے ہیں کہ پردہ ہے ان دنوں

اے جانِ انجمن تری رعنائیوں کی خیر!
آجا ترا شکیلؔ اکیلا ہے ان دنوں

اشکِ غم ظاہر بھی ہو کر رازداروں میں رہا
میری آنکھوں سے جدا ہو کر ستاروں میں رہا

انبساطِ عاشقی میرے مقدر میں کہاں
زندگی بھر زندگی کے سوگواروں میں رہا

دل وہ زاہد ہے جو ان مخمور نظروں کے طفیل
بن گیا ہے خوار پھر بھی دین داروں میں رہا

ایک تم جو وعدہ لطف و کرم کرتے رہے
ایک ہم جو عمر بھر امیدواروں میں رہا

یوں تو ہیں مشہور دونوں فرق یہ ہے محتسب
میں دلوں پر نقش ہوں تو اشتہاروں میں رہا

ہر تبسم پر ترے بڑھتی گئی دل کی خلش
فصلِ گل بھی آئی لیکن پھول خاروں میں رہا

ایک مشتِ خاک ہوں لیکن مرے در پہ شکیلؔ
آسماں بھی عمر بھر سجدہ گزاروں میں رہا

○

حجابوں سے باہر وہ کم دیکھتے ہیں
مگر ان سے کہدو کہ ہم دیکھتے ہیں
نہیں کہکشاں یہ جو ہم دیکھتے ہیں
خود اپنا ہی نقشِ قدم دیکھتے ہیں
اثر کر چلی ہیں ہماری دعائیں
وہ مشکوک نظروں سے کم دیکھتے ہیں
گرا ان کے ہاتھوں سے آئینہ چھٹ کر
پلٹ کر جو دیکھا کہ ہم دیکھتے ہیں
شکیلؔ اپنی ہستی سے ہے رنگِ محفل
زمانہ ہمیں، ان کو ہم دیکھتے ہیں

بے جھجک آ گئے بے خطر آ گئے
آج رندوں میں واعظ کدھر آ گئے

گفتگو ان سے ہوتی یہ قسمت کہاں
یہ اُن کا کرم ہے نظر آ گئے

آنا جانا بھی یہ خوب ہے آپ کا
بے کہے چل دیئے بے خبر آ گئے

ہم تو روتے ہی تھے عشق میں رات دن
تم بھی آخر اسی راہ پر آ گئے

عشق کو جان دینے کی تھی آرزو
کام زنداں کے دیوار و در آ گئے

ہم نے عزم سفر کر لیا اے شکیل
قافلے جب سرِ راہ گذر آ گئے

شعر و شراب و نغمہ کے حق دار بن گئے
بندے خدا کو بھول کے فن کار بن گئے

سوئے تو عیش و رنگ نے دیں آ کے تھپکیاں
جاگے تو کائنات کے غم خوار بن گئے

حل ہو سکا نہ جب غمِ ہستی کا مسئلہ
کچھ سوچ کر حریفِ غمِ یار بن گئے

گھٹنے ہی عقل بڑھنے لگا زعمِ آگہی
بے ہوشیوں کے سایہ میں ہوشیار بن گئے

ایماں کو کفر، کفر کو ایماں سمجھ لیا
دو گھونٹ پی کے اور سیاہ کار بن گئے

طوفاں بدوش آجا اے گردشِ زمانہ
بلبل نے پھونک ڈالا اپنا ہی آشیانہ

کیوں ہو غمِ محبت دو راز غمِ زمانہ
وہ بھی مری کہانی، یہ بھی مرا فسانہ

کلفت ہو جن میں شامل ایسے تو غم بہت ہیں
راحت ہو جس کا حاصل اس غم کا کیا ٹھکانہ

نیند آ رہی ہے ان کو آنکھیں جھپک رہی ہیں
لو بند ہو رہا ہے میرا شراب خانہ

غفلت شعاریوں پہ کیوں اس قدر ہو نادم
میں سچ ہی مان لوں گا کردو کوئی بہانہ

اس کائناتِ غم میں خوشیاں کہاں میسّر
دیوانے ڈھونڈھتے ہیں صحرا میں آب و دانہ

سوچا شکیلؔ کس نے رازِ عروجِ ہستی
ذوقِ عمل ہے مجرم، بدنام ہے زمانہ

○

زندگانی خود حریفِ زندگانی ہو گئی
میں نے جب رکھا قدم دنیا پرانی ہو گئی

ہے وہی افسانہ لیکن کہنے والے اور ہیں
ہے وہی عنواں مگر لمبی کہانی ہو گئی

سازِ الفت چھڑ رہا تھا آنسوؤں کے تار پر
مسکرائے ہم تو ان کو بدگمانی ہو گئی

بن گیا وہ سہ لیے جس نے ترے ظلم و ستم
مٹ گیا وہ جس پہ تیری مہربانی ہو گئی

زندگی کو اپنے مرکز سے ہٹا سکتا تھا کون
وہ تو کہئے کہ پھر برہم جوانی ہو گئی

کیا ترقی باعثِ تخلیق رجعت ہے شکیل
دن نئے آئے مگر قسمت پرانی ہو گئی

○

ذوقِ ستم جنوں کی حدوں سے گذر گیا
کم ظرف زندہ رہ گئے انسان مر گیا

غم خانۂ جہاں میں کسے جرأت قیام
میرا ہی حوصلہ تھا کہ دو دن ٹھہر گیا

ہے شدتِ خلوص بھی اک جرم عاشقی
پروانہ جل کے شمع کو بدنام کر گیا

ڈرتے ہیں اہلِ دل بھی محبت کے نام سے
شیرازۂ حیات یہاں تک بکھر گیا

رہ کر طلسم خانۂ ہستی میں اے شکیلؔ
اکثر میں خود اپنے سایہ سے ڈر گیا

○

شعلہ بہ کف ہے زندگی امن و اماں کی خیر ہو
مل کر دعائیں مانگئے سارے جہاں کی خیر ہو

رہ نہ سکیں گے اب نہاں رازِ درونِ میکدہ
رندوں کو ہوش آگیا پیرِ مغاں کی خیر ہو

زہرِ حیات پی کے ہم کھیل رہے تھے موت سے
عشق نے پھر جلا دیا عمرِ رواں کی خیر ہو

ہیں میرے دل سے بے خبر پھر بھی بزعمِ یک نظر
آئے ہیں بن کے چارہ گر دردِ نہاں کی خیر ہو

مصلحتوں نے ولولے چھین لئے ہیں اب تکیل!
اہلِ زباں ہیں کم سخن زورِ بیاں کی خیر ہو

○

جادۂ عشق میں گر گر کے سنبھلتے رہنا
پاؤں جل جائیں مگر آگ پہ چلتے رہنا
جلوۂ امن تمہیں سے ہے محبت والو
مہر تاباں کی طرح روز نکلتے رہنا
نغمۂ عشق نہ ہو اک ہی دھن پر قائم
وقت کے ساتھ ذرا راگ بدلتے رہنا
زندگی کو مہ و انجم نہ اجالا دیں گے
تم نہ ان جھوٹے کھلونوں سے بہلتے رہنا
ہے یہی وقت عمل جہد مسلسل کی قسم
بے سہاروں کی طرح ہاتھ نہ ملتے رہنا
زندگانی ہے فقط گرمیٔ رفتار کا نام
منزلیں ساتھ لئے راہ پہ چلتے رہنا
ہے ستاروں کی طرح مائل پرواز تخیل
دشمنہ! تم کو قسم ہے یوں ہی جلتے رہنا

بیت گیا ہنگام قیامت روز قیامت آج بھی ہے
ترک تعلق کام نہ آیا، ان سے محبت آج بھی ہے

سخت سہی ہستی کے مراحل عشق میں راحت آج بھی ہے
اے غم جاناں ہو نہ گریزاں، تیری ضرورت آج بھی ہے

گلشن حسن یار میں کرتے ہیں جو تلاش کیف و سکوں!
لاکھ ہے برہم نظم دو عالم زلف میں نکہت آج بھی ہے

نور سحر ہے جان تصور، ظلمت شب سے کون ڈرے
لاکھ بنی ہے زیست جہنم، سامنے جنت آج بھی ہے

صبح بہار آئی تھی لے کر رُت بھی نہیں شاخیں بھی نہیں
غنچہ و گل سے پیار ہے لیکن شاخ سے نفرت آج بھی ہے

بھر لیئے دامن پھر بھی نہ بدلی ہائے روش گلچینوں کی
غنچہ و گل سے پیار ہے لیکن شاخ سے نفرت آج بھی ہے

عرض تمنا کر کے گنوایا ہم نے بھرم خودداری کا!
ہو گئی گو تکمیل تمنا، دل کو ندامت آج بھی ہے

کر کے ستم کی پردہ پوشی ہم نے انہیں بے عیب کیا
ورنہ شکیل اپنے ہونٹوں پر حرف شکایت آج بھی ہے

گیت

یہ زندگی کے میلے
دنیا میں کم نہ ہوں گے
افسوس ہم نہ ہوں گے

اک دن پڑے گا جانا
کیا وقت کیا زمانہ
کوئی نہ ساتھ دے گا
سب کچھ یہیں رہے گا
جائیں گے ہم اکیلے
یہ زندگی کے میلے

دنیا ہے موجِ دریا
قطرے کی زندگی کیا
پانی میں مل کے پانی
انجام یہ کہ فانی
دم بھر کو سانس لے لے
یہ زندگی کے میلے

ہوں گی یہی بہاریں
الفت کی یادگاریں
بگڑے گی اور بنے گی
دنیا یہی رہے گی
ہوں گے یہی جھمیلے
یہ زندگی کے میلے

فلم: میلہ = موسیقی: نوشاد = مغنی: محمد رفیع

جوگن بن جاؤں گی سیّاں تورے کارن
سیّاں تورے کارن ہو بلما تورے کارن

جیت لیا تورے گیت نے من کو
آگ لگی مورے بالا پن کو
نینوں میں کوئی آئے نہ دوجا
کروں گی نسدن پریتم پوجا
بھجن تورے گاؤں گی بن کے پجارن
جوگن بن جاؤں گی ....

میں رسیا تورے من میں رہوں گی
پیار سے اپنی جھولی بھروں گی
او من بسیا او البیلے!
چھوڑ کے اونچے محلے دو محلے
میں تیری گلی آؤں گی بن کے بھکارن
جوگن بن جاؤں گی ...

فلم: شباب ۔ موسیقی: نوشاد ۔ مغنیہ: لتا منگیشکر

چھوڑ بابل کا گھر
موہے پی کے نگر
آج جانا پڑا
سنگ سکھیوں کے جیون بتاتی تھی میں
بیاہ گڑیوں کا ہنس ہنس رچاتی تھی میں
سب سے منہ موڑ کر
کیا بتاؤں کدھر
آج جانا پڑا
یاد میکے کی دل سے بھلائے چلی
پریت ساجن کی من میں بسائے چلی
یاد کر کے یہ گھر
روئی آنکھیں مگر
موہے جانا پڑا
آج جانا پڑا

پہن الفت کا گہنا دولہن میں بنی
ڈولا آیا پیا کا سکھی میں چلی
یہ تھا جھوٹا نگر!
اس لئے چھوڑ کر
مجھے جانا پڑا
آج جانا پڑا

فلم: بابل = موسیقی: نوشاد = مغنیہ: شمشاد بیگم

○

زندگی دینے والے سُن
تیری دُنیا سے دل بھر گیا
میں یہاں جیتے جی مر گیا
رات کٹتی نہیں دن گذرتا نہیں
زخم ایسا دیا ہے کہ بھرتا نہیں
آنکھ ویران ہے
دل پریشان ہے
غم کا سامان ہے
جیسے جادو کوئی کر گیا
زندگی دینے والے سن
بے خطا تو نے مجھ سے خوشی چھین لی
زندہ رکھا مگر زندگی چھین لی

کر دیا دل کا خوں
چپ کہاں تک رہوں
صاف کیوں نہ کہوں
تو خوشی سے مری ڈر گیا
زندگی دینے والے سن

فلم: دل ناداں ـ موسیقی: غلام محمد ـ مغنی: طلعت محمود

بچپن کے دن بھلا نہ دینا
آج ہنسے کل رلا نہ دینا
لمبے ہیں جیون کے رستے
آؤ چلیں ہم گاتے ہنستے
دور دیش اک محل بنائیں
پیار کا جس میں دیپ جلائیں
دیپ جلا کر بجھا نہ دینا
آج ہنسے کل رلا نہ دینا۔ بچپن کے دن
رت بدلے یا جیون بدلے
دل کے ترانے ہوں نہ پرانے
نینوں میں بن کر سپن سہانے
آئیں گے اک دن یہی زمانے
یاد ہماری مٹا نہ دینا
آج ہنسے کل رلا نہ دینا۔ بچپن کے دن

فلم : دیدار ۔ موسیقی : نوشاد ۔ مغنیہ لتا منگیشکر اور شمشاد بیگم

آج مرے من میں سکھی بانسری بجائے کوئی
پیار بھرے گیت سکھی بار بار گائے کوئی
بانسری بجائے سکھی، سکھی، گائے سکھی ری
کوئی چھیلوا ہو کوئی البیلوا
رنگ میری جوانی کا بنکے جھومتا گھر آیا ہے ساون
ہو سکھی ہو ری سکھی آیا ہے ساون میرے نینوں میں مرے ساجن
ان اودی گھٹاؤں میں ہواؤں میں سکھی ناچے مرا من
آنگن میں ساون من بھاون ہو جی
دل کے ہنڈولے پہ مورے جھولنا جھلائے کوئی
پیار بھرے گیت سکھی ...
کہتا ہے اشاروں میں کوئی آمورے امبوا کے تلے مل بھلا وہ کون ہے گھائل
میں نام نہ لوں آج لگے لاج سکھی دھڑکے مرا دل ہو سکھی دھڑکے مرا دل
آنگن میں ساون من بھاون ہو جی
تار پہ جیون کے مدھر راگنی سنائے کوئی
پیار بھرے گیت سکھی ...

فلم: آن ۔ موسیقی: نوشاد ۔ مغنیہ: لتا منگیشکر اور کورس

بھگوان ، بھگوان ، بھگوان!

او دنیا کے رکھوالے سن درد بھرے مرے نالے سن درد بھرے مرے نالے

آس نراس کے دو رنگوں سے دنیا تو نے سجائی

نیا سنگ طوفان بنایا، ملن کے ساتھ جدائی

لٹ گئی میرے پیار کی دنیا اب تو نیر بہالے... او دنیا کے رکھوالے

آگ بنی ساون کی برکھا پھول بنے انگارے

ناگن بن گئی رات سہانی، پتھر بن گئے تارے

سب ٹوٹ چکے ہیں سہارے

جیون اپنا واپس لے لے جیون دینے والے... او دنیا کے رکھوالے

چاند کو ڈھونڈے پاگل سورج شام کو ڈھونڈے سویرا

میں بھی ڈھونڈوں اس پریتم کو ہو نہ سکا جو میرا

بھگوان بھلا ہو تیرا

قسمت پھوٹی، آس نہ ٹوٹی، پاؤں میں پڑ گئے چھالے ... او دنیا کے رکھوالے
محل اداس اور گلیاں سونی چپ چپ ہیں دیواریں
دل کیا اجڑا دنیا اجڑی، روٹھ گئی ہیں بہاریں
ہم جیون کیسے گذاریں
مندر گرتا پھر بن جاتا، دل کو کون سنبھالے ... او دنیا کے رکھوالے

فلم: بیجو باورا • موسیقی: نوشاد • مغنی: محمد رفیع

چلے آج تم جہاں سے ہوئی زندگی پرائی
تمہیں مل گیا ٹھکانہ ہمیں موت بھی نہ آئی
او دور کے مسافر
ہم کو بھی ساتھ لے لے
ہم رہ گئے اکیلے!

تونے وہ دے دیا غم بے موت مر گئے ہم
دل اٹھ گیا جہاں سے لے چل ہمیں یہاں سے
کس کام کی یہ دنیا
جو زندگی سے کھیلے
ہم کو بھی ساتھ لے لے

سونی ہیں دل کی راہیں خاموش ہیں نگاہیں
ناکام حسرتوں کا اٹھنے کو ہے جنازہ
چاروں طرف لگے ہیں
بربادیوں کے میلے
ہم کو بھی ساتھ لے لے

فلم: اڑن کھٹولہ ۔ موسیقی: نوشاد ۔ مغنی: محمد رفیع